پروفیسر خلیق احمد نظامی

مستشرقین کے افکار و نظریات کے مختلف دور

طریقۂ کار کا تجزیہ اور اصلاحِ حال کی راہ

(۲)

طریقۂ کار

۱۔ سب سے زیادہ مؤثر حربہ جو ان مقاصد کے حصول کے لیے استعمال کیا گیا، وہ اسلام کے علمی ذخیروں پر قبضہ تھا۔ یورپ کے علمی اداروں، قومی میوزیم اور کتب خانوں میں تاریخِ اسلام کے سارے ماخذ جمع کر دیئے گئے، اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ مسلمان اپنی تاریخ کے ماخذ کے لیے مکمل طور پر مستشرقین کے دست نگر ہو گئے۔

۲۔ ایک پُر فریب معروضی نقطۂ نگاہ نے ان کی علمی کاوشوں کی حقیقی نوعیت کو نظروں سے پوشیدہ کر دیا، مثلاً جرجی زیدان نے چار جلدوں میں تمدّن عرب کی تاریخ لکھی جس میں بظاہر مسلمانوں کی مدح سرائی کی لیکن درپردہ مسلمانوں پر سخت اور متعصبانہ حملے کیے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں کی نظر اس کی فریب کاریوں پر نہیں رہی اور کتاب گھر گھر پھیل گئی۔

۳۔ مستشرقین نے بعض نظریات کو جو بنیادی طور پر غلط اور گمراہ کن تھے، اس خود اعتمادی اور بلند آہنگی کے ساتھ پھیلایا کہ خود مسلمانوں کو ان کی صداقت پر یقین آگیا۔

> بہ من چنداں گنہ از بد گمانی می کند نسبت ۔۔۔ کہ من ہم در گماں افتادہ پندارم گنہگارم

۴۔ مستشرقین کا ایک مخصوص طرزِ استدلال جس کے اثرات تو سب مسلمانانِ عالم محسوس کرتے تھے، لیکن اس کی نفسیاتی مصلحتوں کا احساس بہت کم لوگوں کو تھا، یہ تھا کہ دروغ بیانی اور افتراؤں کے دفتر دل کے دفتر جب کھولے جائیں تو موقع بے موقع ایسے جملے ضرور کہے جائیں جن سے مسلمان پڑھنے والوں کو طیش آجائے اور وہ سکون کے ساتھ ان کے پیدا کیے ہوئے مفسدوں کا جواب نہ دے سکیں۔ سب سے پہلے مولانا شبلی نے اس طرزِ استدلال کے نفسیاتی پہلو کو طشت ازبام کیا اور لکھا۔ خود مجھ پر بھی یہی اثر پڑا ہے، لیکن میں ان حریفوں کو یہ موقع نہ دوں گا کہ وہ میرے

طیش و غضب سے فائدہ اٹھایئں ۔ سر سید نے جب میور کی کتاب کو دیکھا تھا تو بقول خود ان کا دل جل کر کباب ہوگیا تھا، لیکن سر سید یا مولانا شبلی کی طرح جذبات پر قابو پاکر مدلل اور سنجیدہ گفتگو کرنا ہر شخص کے لیے ممکن نہ تھا، چنانچہ بعض لوگوں نے طیش میں آکر مستشرقین کو صرف بُرا بھلا کہا اور اصل مقصدہ اپنی جگہ بدستور باقی رہا۔ بعض نے ان کے بیانات کو نا قابلِ اعتناء قرار دے کر خاموشی اختیار کرلی ۔ جن لوگوں نے جواب دینے کی کوشش کی، ان کو "عذر خواہ حمایتی" (APOLOGIST) کہہ کر خود ان کی نظروں میں ان کو گرا دیا گیا مستشرقین کے طریقہ کار کے یہ نہایت مؤثر حربے تھے جو موقع اور مصلحت سے استعمال کیے جاتے تھے۔

۵۔ مستشرقین کا سب سے زیادہ اہم کارنامہ جس کے ذریعہ اگر ایک طرف اسلامی علوم کے متعلق معاصرین کی معلومات میں حیرت انگیز اضافہ ہوا ، تو دوسری طرف مسلمانوں کی علمی اور تحقیقی کاوشوں کا دروازہ نہ صرف بند ہوگیا ہے ، بلکہ صدہا ایسی غلط فہمیاں عام ہوگئیں جن کا دور کرنا آسان کام نہیں رہا۔ وہ ENCYCLOP-AEDIA OF ISLAM، DICTIONARY OF ISLAM BIBLIPTHEQUE-ORIENTALE MUSLIM THEORIES OF FINANCE جیسی کتابوں کی اشاعت ہے ، ان کتابوں کی ترتیب اور تیاری میں جو علمی کاوشیں کی گئی ہیں ، وہ اپنی جگہ مسلم ہیں ۔ اور کوئی دیانت دار مصنف ان کی اہمیت سے کبھی انکار نہیں کر سکے گا ، لیکن ان میں جن نظریات اور افکار کو بین الاقوامی علمیت کا ٹھپہ لگا کر رواج دے دیا گیا ہے ، ان کی تردید و اصلاح کے لیے بڑا علمی تبحر اور اس سے زیادہ محنت و جانفشانی درکار ہے ۔ نتیجہ ظاہر ہے ، اسلام کے فقہی ، تمدنی ، سیاسی تمام مسائل پر ان تصانیف کو حرفِ آخر کا درجہ دے دیا گیا ہے ۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے اس صورت حال کے خلاف آواز اٹھائی اور " انڈین ہسٹری کانگریس" کے اجلاس منعقدہ مدراس (۱۹۴۳ء) میں کہا ۔

> یہ دیکھ کر تعجب اور افسوس ہوتا ہے کہ بعض تاریخی تحقیقات میں اسلامی شریعت کی وضاحت " انسائیکلو پیڈیا آف اسلام " کی مدد سے کی جاتی ہے ۔ اسلامی فقہ کے نکتے " میکڈانلڈ " کی کتاب کے ذریعہ بتائے جاتے ہیں۔ اسلامی مسائل کا حل ریورنڈ ہیوز کی " ڈکشنری آف اسلام " سے پیش کیا جاتا ہے ، مسلمانوں کی حکومت ، بادشاہی اور مالیات کے نظریے آرنلڈ اگناڈیز کی عینک سے دیکھے جاتے ہیں ۔ ہم تحقیق کے نام سے اپنے پیشروؤں کی غلطی کی غلط پیروی میں مصروف ہیں ۔

۶۔ مشرقی علوم بالخصوص اسلام کے مطالعہ کے لیے یورپ کی یونیورسٹیوں میں جو شعبے قائم کیے گئے ۔ وہاں مسلمان طلبہ کثیر تعداد میں استفادہ کے لیے جمع ہوئے ۔ یہ طلبہ بعد میں اپنے ملکوں کے اداروں کے سربراہ بنے ، مستشرقین کی مقبولیت بڑھانے میں ان طلبہ کا خاص حصہ تھا ، ان پر مغربی استادوں کی تعلیم کا ایسا جادو تھا کہ

"آنچہ استاد ازل گفت ہماں می گویم" کی کیفیت ان پر طاری رہتی تھی، اور جن خیالات کی اشاعت خود مستشرقین کے لیے شاید ممکن نہ ہوتی، وہ ان طلبہ کے ذریعہ بہت آسان بلکہ مؤثر ہو گئی۔ اگر انیسویں اور بیسویں صدی کے اوائل کے اسلامی ملکوں کے علمی اداروں اور ان پر مستشرقین کے اثرات کا جائزہ لیا جائے، تو اندازہ ہوگا کہ ان شاگردوں کے ذریعے سے مستشرقین کس طرح اسلامی دنیا کے پورے علمی افق پر چھا گئے تھے۔

۷۔ ان شاگردوں کی فکر کو مسلسل اپنے نظریات اور تحقیقات کے حصار میں رکھنے کا کام ان استادوں نے انجمنوں، کانفرنسوں اور رسالوں سے لیا۔ ۱۷۸۴ء میں سب سے پہلی "ایشیاٹک سوسائٹی" قائم ہوئی۔ ۱۷۸۴ء میں سر ولیم جونس نے "ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال" قائم کی۔ ۱۸۲۱ء میں "پیرس ایشیاٹک سوسائٹی" وجود میں آئی۔ ۱۸۲۳ء میں "رائل ایشیاٹک" اور ۱۸۴۲ء میں "امریکن اورینٹل سوسائٹی" کی بنیاد رکھی گئی۔ ان کی کوشش یہ تھی کہ مسلمانوں کی فکر میں کوئی خلا ایسا نہ رہنے دیا جائے، جس کو وہ اپنے ہی تحقیقی کام سے پُر کریں۔

پھر بعض کانفرنسیں ترتیب دی گئیں جن کے مقاصد بظاہر علمی تھے، لیکن جن کے ذریعہ مختلف ملکوں کی "وزارتِ خارجہ" کی پالیسیاں بروئے کار لائی جاتی تھیں۔ بے شمار جریدوں کی اشاعت نے مستشرقین کا رابطہ پوری علمی دنیا سے قائم رکھا۔ نا انصافی ہوگی، اگر اس سلسلہ میں مستشرقین کی کوششوں کو خراجِ تحسین نہ پیش کیا جائے، لیکن یہ حقیقت بھی اپنی جگہ ہے کہ ان تمام کوششوں کی باگ ڈور "دفاترِ خارجہ" کے ہاتھوں میں تھی، اور ان سے بہت سے دوسرے مقاصد بھی حاصل کیے جاتے تھے۔ مولانا شبلی نے مارگولیتھ کے ذکر میں بڑی صحیح بات لکھی ہے کہ "تعصب کی ایک چنگاری سیکڑوں خرمن معلومات کو جلانے کے لیے کافی ہے۔"

مستشرقین اپنے علم کے سہارے اسلامی تہذیب کی روح تک پہنچنے میں تو شاذ و نادر ہی کامیاب ہوئے۔ لیکن ان کی متعصبانہ تیز نگاہی نے اس روح کو مجروح کرنے کا سامان ضرور مہیا کر دیا۔

ہندوستان میں ردِ عمل

ہندوستان میں مستشرقین کے طریقہ کار اور اندازِ فکر کے خلاف علی گڑھ، دیوبند، ندوۃ العلماء تینوں نے اپنے اپنے مخصوص انداز میں آواز اٹھائی۔ عجیب اتفاق تھا کہ سب سے پہلا ٹکراؤ اس شخص سے ہوا جو ہندوستان میں مغربی علوم کا سب سے بڑا داعی تھا۔ جب ولیم میور کی کتاب سیرت رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر شائع ہوئی، تو اس کی مفسدہ پردازی اور دروغ گوئی پر سر سید تڑپ اٹھے۔ ان کا ردِ عمل ہندوستان کی تاریخ میں اپنی مثال آپ ہے۔ انہوں نے لندن میں "خطبات احمدیہ" تیار کیے اور میور کے ایک ایک اعتراض کا نہایت دندان شکن جواب دیا۔ سر سید کا آخری مضمون جو انہوں نے وفات سے چند دن قبل لکھا تھا، ازواج مطہرات سے متعلق تھا جس میں مستشرقین کے مفسدانہ خیالات کی قلعی کھولی گئی ہے۔

مولانا عبدالحلیم شرر کا بیان ہے کہ سرسید کے پاس ایسے مسلمان طلبہ کے خطوط تھے، جنہوں نے لکھا تھا کہ اگر یہ خطبات ان کو نہ ملتے، تو وہ مذہب اسلام چھوڑ بیٹھتے۔ سرسید ان خطوط کو اپنے لیے سرمایۂ آخرت سمجھتے تھے۔ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ سرسید یورپ کی تقلید میں پیش پیش تھے، لیکن انہوں نے مستشرقین کے خلاف آواز اٹھانے میں بے پناہ عزم، غیر معمولی جرأت اور حیرت انگیز علمی تبحر کا ثبوت دیا اور خود مستشرقین کے وضع کیے ہوئے ہتھیار ان کے خلاف استعمال کیے۔

ہندوستان میں مستشرقین کے پیدا کیے ہوئے اثرات کے خلاف جن علماء نے پیہم جدوجہد کی، ان میں مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رحمت اللہ کیرانوی، مولانا شبلی، مولانا سید محمد علی مونگیری، ڈاکٹر محمد اقبال اور سید امیر علی کے نام تاریخ میں ہمیشہ یاد رہیں گے۔ ہندوستان میں "مشنری" اور "مستشرقین" کی سازش نے نازک صورتحال پیدا کر دی تھی۔ میور نے خود لکھا ہے کہ اس نے اپنی کتاب پادری فنڈر کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے لکھی تھی مولانا کیرانوی اور مولانا مونگیری نے مشنریوں اور مستشرقین کے اس اتحاد عمل کا مقابلہ کیا اور بڑی ہمت اور استقلال سے بہت سے فتنوں کا سدِ باب کیا۔ مولانا کیرانوی کی کتابیں — ازالۃ الاوہام، ازالۃ الشکوک، احسن الحدیث اظہار الحق، فرانسیسی، انگریزی، جرمن اور ترکی زبانوں میں ترجمہ ہو چکی ہیں۔ مولانا مونگیری کی کتابوں پیغام محمدی ساطع البرہان، برہان قاطعہ وغیرہ — نے مشنریوں اور مستشرقوں کی سازش کو ناکام بنایا۔

مولانا شبلی مدت العمر مستشرقین کی پیدا کی ہوئی گمراہیوں سے برسرِ پیکار رہے، قرآن کے عدیم الصحت ہونے کا دعویٰ جب "لندن ٹائمس" میں کیا گیا تو مولانا شبلی نے اس پر پُر زور تنقید کرتے ہوئے کہا۔ "ہم بتا دیں گے کہ قرآن مجید ہزاروں دلائل سے بھی انجیل نہیں بن سکتا۔" اس ایک جملہ میں اس ذہنی کاوش کا پورا پس منظر سمٹ آیا ہے جو مستشرقین کی ان کوششوں کا محرک تھا۔ پادری برو جیلی نے تعدد ازدواج پر اعتراض کیے تو مولانا شبلی کا قلم حرکت میں آیا۔ جرجی زیدان کی کتاب تمدنِ اسلام کی پردہ دری کا کام بھی مولانا شبلی نے انجام دیا۔ آرمینیا کے جھگڑوں میں مستشرقین نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ اسلام میں عیسائی رعایا کے ساتھ ماضی میں شدید مظالم ہو چکے ہیں اور اسلام میں یہ ظلم جائز بلکہ ضروری قرار دیا گیا ہے۔ مولانا شبلی نے "حقوق الذمیین" اور "الجزیہ" لکھ کر ان الزام تراشیوں کو بے اثر کر دیا ہے۔ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر قلم اٹھایا تو سب سے پہلے مستشرقین کے پیدا کیے ہوئے اثرات کا جائزہ لیا۔ اسی مقصد کے پیشِ نظر مولانا سید سلیمان ندوی نے ۱۲-۱۹۱۱ء میں "الندوہ" میں مضامین کا ایک طویل سلسلہ شائع کیا جن میں مستشرقین کے کام کا جائزہ لیا گیا ہے۔

ڈاکٹر محمد اقبال نے انگریز، فرانسیسی اور جرمن مستشرقین کے افکار اور اندازِ تحقیق کا گہرا مطالعہ کیا۔ انہوں نے مسلم نوجوان سے جس کی آنکھیں مغرب اور مستشرق دونوں سے خیرہ ہو رہی تھیں، خاموشی سے کہا۔

معلوم ہیں مجھ کو ترے احوال کہ میں بھی　　مدت ہوئی گزرا تھا، اسی راہ گذر سے

اور پھر اس کی خودی اور خود اعتمادی کے گرے ہوئے منارے اور ٹوٹے ہوئے حصار کی تعمیر میں لگ گئے۔ اقبال نے مستشرقین کی علمی برتری کا طلسم توڑا، ان کے پُر فریب معروضی نقطۂ نگاہ کو بے نقاب کیا، مسلمانوں کو خود اعتمادی کا بھولا ہوا سبق پڑھایا اور بتایا کہ جدید سائنس مغربی الاصل نہیں ہے۔ اس کی ابتداء مسلمانوں سے ہوئی ہے، یورپ نے اس کو روح انسانی کے کچلنے کے لیے استعمال کیا۔ مسلمانوں کو مغربی علوم کے سلسلہ میں "بو لہب را حیدر کرار کن" پر عمل کرنا چاہیئے۔ اقبال نے مسلمانوں کی نئی نسل کو اس ذہنی غلامی اور احساس کمتری سے نجات دلائی جو مستشرقین کی پیدا کی ہوئی تھی، اور جس نے مسلمانوں کی فکر کے سوتے خشک کر دیئے تھے انہوں نے اپنے "خطبات" میں جس طرح مسلمانوں کی مذہبی فکر کی تشکیل جدید کا سوال اٹھایا ہے اور جس طرح علومِ مغربی اور مستشرقین کے احساسِ برتری کو بے جان کر دیا ہے، وہ تاریخ اسلام میں یادگار رہے گا۔

کام کا اعتراف

مستشرقین کی سرگرمیوں کی یہ رُوداد بیان کرنے کے بعد ضروری ہے کہ "ہر شی نیز بگو" کے تحت ان کی خدمات کا اعتراف بھی کھلے دل سے کیا جائے۔ علوم اسلامی پر کام کرنے میں انہوں نے جس بے پناہ لگن، غیر معمولی انہماک اور مسلسل جدوجہد کا ثبوت دیا اور اپنی پوری پوری زندگیاں مختلف اسلامی علوم وفنون کے مطالعہ اور تحقیق میں بسر کر دیں، اس کو نظر انداز کرنا حق اور دیانت کے خلاف ہوگا۔ مولانا ابو الکلام آزاد نے مستشرقین کے احسان کا ذکر کرتے ہوئے ایک بار کہا تھا۔ تاریخ وادب کی وہ بے بہا کتابیں جن کے الگ کر دینے کے بعد عربی اور مسلمانوں کا کشکول خالی ہو جاتا ہے، صرف یورپ کی سرپرستی سے آج دنیا میں نظر آ رہی ہیں مولانا شبلی نے طبقات ابن سعد، مناقب عمر بن عبد العزیز، تجارت الامم وغیرہ کی اشاعت پر مستشرقین کو مبارک باد دی تھی اور ان کا صمیم قلب سے شکریہ ادا کیا تھا۔ تاریخ، جغرافیہ، لغت، طب، فلسفہ، ادب پر قدیم مسلمان علماء نے جو بیش بہا علمی کام کیے تھے، ان کو مستشرقین کے ذوق نے تباہی سے بچایا اور علمی حلقوں تک پہنچایا۔ نکلسن کے متعلق اربیری (ARBARRY) نے ایک بار بتایا تھا کہ مثنوی کا دن رات مطالعہ کرتے کرتے اس کی بینائی جاتی رہی تھی، مارگولیتھ کے متعلق مولانا شبلی نے "سیرت النبی" میں لکھا ہے۔

> اس نے مسند امام احمد بن حنبل کی چھ ضخیم جلدوں کا ایک ایک حرف پڑھا ہے، اور ہم دعویٰ سے کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں کسی مسلمان کو بھی اس وصف میں، اس کی ہم سری کا دعوے نہیں ہو سکتا۔

گولڈزیہر (GOLD ZIHER) اور وین سنک (WENSINCK) نے احادیث کی ترتیب کی طرف توجہ کی تو حدیث کے سارے ذخیروں کو کھنگال ڈالا۔ حقیقت یہ ہے کہ نکلسن، میسی نیون، اربیری، گب وغیرہ

کی پُرخلوص علمی کاوشوں کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ مستشرقین کی اس لگن اور انہماک کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی تاریخ اور تمدن کے سارے ماخذان کے قابو میں آگئے۔ D.K.NIEBUHR کا واقعہ اس سلسلہ میں بڑا سبق آموز ہے اس نے عرب ممالک میں کچھ قدیم کتابات دریافت کیے تو وہاں کا کوئی عالم ان کو نہ سمجھ سکا۔ جب ان کتبات کی نقلیں جرمنی میں RIESKE کو بھیجی گئیں تو بواپسی ڈاک جواب مل گیا۔ علمی اعتبار سے قطع نظر اگر محض جذبہ اور ادراک کی حیثیت سے دیکھا جائے تو اندازہ ہوگا کہ مسلسل اسلام کے مطالعہ نے ان کی زندگی کو کس حد تک متاثر کیا تھا؟ جب "سورہ کہف" پڑھتا تو اس کے چہرے پر عجیب وغریب کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ گوئٹے (GOETHE) قرآن پاک کے متعلق کہا کرتا تھا کہ

جب میں یہ کتاب پڑھتا ہوں تو میری روح میرے جسم میں کانپنے لگتی ہے۔

انا مری شمل کی تصوف اسلام میں غیر معمولی دلچسپی جذبات واحساسات کی گہرائی کی غماز ہے۔ ایک بار شاہ ولی اللہ دہلوی کی تحریر دیکھ کر ان کے چہرے کی جو رنگت ہوئی اور جس طرح برکت کے خیال سے انہوں نے تحریر پر انگلیاں پھیرنی شروع کردیں، اس سے ان کی قلبی کیفیات کا اندازہ ہوتا تھا۔ بعض اوقات جب مستشرقین کی تنقید میں حد سے زیادہ گرم جوشی دکھائی جاتی ہے، تو بے اختیار خسرو کا یہ شعر زبان پر آجاتا ہے جو انہوں نے اپنے زمانہ کے مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا۔

اے کہ طعنہ زبت بہ ہند دبری ہم آموز از وے پرستش گری

راہِ عمل

یہ ساری گفتگو بے معنی رہے گی، اگر اس سوال پر غور نہ کیا جائے کہ آئندہ کے لیے راہِ عمل کیا ہونا چاہیئے؟ محض مستشرقین کی تنقید کو مقصد بنا لینا، یا ان کی علمی بدنیتیوں پر نوحہ کرتے رہنا قوائے ذہنی کے اضمحلال کی نشانی ہے۔

۱۔ سب سے پہلی ضرورت ہے کہ علومِ اسلامی پر تحقیق کے نہایت اعلیٰ مرکز قائم کیے جائیں، اور دنیا کے ہر گوشے سے جدید سائنسی سہولتوں کو کام میں لاکر اسلامی علوم وفنون کے تمام ماخذان مرکزوں میں جمع کردیئے جائیں۔ اس منصوبہ کی کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ ہر ملک پہلے خود اپنے علمی سرمایہ کا جائزہ لے اور جس طرح مولانا سید عبدالحئی مرحوم نے "الثقافتہ الاسلامیہ فی الہند" میں ہندوستان کے علمی سرمایہ کا جائزہ لیا ہے، اسی طرح کے کام ہر ملک میں شروع کیے جائیں۔ بروکلمان اور اسٹوری کی کوششیں چراغ راہ کا کام دے سکتی ہیں۔ لیکن منزل نہیں بن سکتیں۔ ماخذ کے سلسلہ میں یورپ کی محتاجی ختم ہونے کے بعد خود اعتمادی کا جو دور شروع ہوگا، وہ علمی جدوجہد میں نئی توانائی پیدا کردے گا۔

۲۔ گو یورپ نے اسلامی حدیث، فقہ، تاریخ، ادب، جغرافیہ وغیرہ کے لاتعداد ماخذ شائع کیے ہیں۔

لیکن ابھی عربی، فارسی، ترکی زبانوں میں اسلامی تاریخ کے ایسے منابع موجود ہیں، جن کی اشاعت سے تحقیق کی گذرگاہیں روشن ہوسکتی ہیں، اس کام کو بلا تاخیر شروع کردینا چاہیئے۔

۴۔ اسلامی تاریخ، مذہب اور تمدن کے متعلق ENCYCLOPAEDIAS تیار کی جانی چاہیئں جن کی معلومات معتبر اور نقطۂ نگاہ معروضی ہو، اور جن سے ان تمام غلط نظریات کی اصلاح ہوسکے جو مختلف طریقوں سے پھیلائے گئے ہیں۔

جب ENCYCLOPAEDIA OF ISLAM کے دوسرے ایڈیشن کا کام شروع ہوا تھا تو کچھ مسلمان فاضلوں نے اس کو یہودی مستشرقین کی منظم سازش سے تعبیر کیا تھا، لیکن وہ کام اپنی تکمیل کو پہنچنے والا ہے، اور مسلمان اپنی کوئی ایسی اسکیم اب تک بروئے کار نہ لا سکے۔ اس سے بھی بڑھ کر افسوس کی بات یہ ہے کہ بعض مسلمان ممالک اسی "دائرۃ المعارف اسلامیہ" کو اپنی اپنی زبانوں میں منتقل کرکے یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ انہوں نے فرضِ کفایہ ادا کردیا ہے۔ حال ہی میں PROF MIRCEE ELIADE کی نگرانی میں ایک بڑا منصوبہ ۱۶ جلدوں میں ENCYCLOPAEDIA OF RELIGION تیار کرنے کا بنایا گیا ہے۔ کیا مسلمانوں کے لیے اس طرح کے منصوبے تیار کرنے اور بروئے کار لانے کا وقت ابھی نہیں آیا؟ ڈاکٹر ذکی ولیدی طوغان نے مستشرقین کے غلط افکار و نظریات کی اصلاح کے لیے ترکوں کی تاریخ اور تمدن پر ایک بسیط کام کا خاکہ تیار کیا تھا، لیکن ڈاکٹر طوغان کی وفات کے بعد معلوم نہیں، اس منصوبے کا کیا حشر ہوا۔ ایران نے ENCYCLOPAEDIA PARSICA کا منصوبہ تیار کیا ہے اور ہر چند کہ احسان یار شاطر کی نگرانی میں یہ کام ہو رہا ہے، لیکن حقیقی باگ ڈور امریکی مستشرقین ہی کے ہاتھ میں ہے۔ اگر اس جسارت کا مقصد غلط نہ سمجھا جائے تو ان ENCYCLOPAEDIAS سے اپنے ذاتی تعلق اور معلومات کی بناء پر عرض کروں کہ جو عزم، لگن، جذبہ اور عالمانہ تیز نگاہی ان مستشرقین میں نظر آتی ہے، اس کا عشرِ عشیر بھی مسلمان فاضلوں میں نظر نہیں آتا۔

آج سائنس کے انقلابی انکشافات اور ترقیوں نے زمان و مکان کی پہنائیاں ختم کردی ہیں۔ اور فکر و نظر کے نئے سانچے وجود میں آرہے ہیں۔ بعض کام جدید سائنسی نظریات اور تجربات سے باخبر ہوئے بغیر انجام نہیں دیئے جاسکتے، اقبال نے صحیح کہا تھا۔

> اسلامی ثقافت کے مورخ کی مشکل زیادہ تر اس سبب سے ہے کہ عربی کے ایسے علماء تقریباً مفقود ہیں جو سائنس کے مخصوص شعبہ جات کے تربیت یافتہ ہوں۔

اس لیے ضروری ہے کہ قدیم اور جدید علوم کے ماہرین ایک جگہ جمع ہوں، اور اس کمی کو پورا کریں ہر عہد ایک نئے علمِ کلام کا مطالبہ کرتا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس دور میں جب کہ انسان وسعت لکھ

واللیل والنہار والشمس والقمر کی منشائے الٰہی کو پورا کرتا ہوا نظر آ رہا ہے، نیا علم کلام سائنس کو نظر انداز نہیں کرسکے گا۔ ایک زمانہ تھا جب مسلمان مفکرین اور علماء نے جن میں سر سید کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے مذہب کو سائنس کے نظریات کے مطابق ثابت کرنے کی کوشش کی تھی، پھر ایک دور آیا جب مولانا ابوالکلام آزاد نے اعلان کیا کہ سائنس اور مذہب کی راہیں مختلف ہیں، اور مذہب کو سائنس کے مطابق ثابت کرنا غیر ضروری ہے لیکن آج وہ زمانہ آیا ہے، کہ سائنس خود پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ میں مذہب کے بنیادی نظریات کی تائید کرتی ہوں۔ وقت اور حالات کا یہ انقلاب عظیم الشان ہے۔ ضروری ہے کہ اس سے پوری طرح فائدہ اٹھایا جائے۔ اگر اس بنیادی ضرورت سے بے اعتنائی برتی گئی تو ہماری کوششوں کا حال یہ ہوگا کہ۔

خوب است دخوشش است و بو ندارد

بعض دینی علوم کا نئے انداز سے مطالعہ ضروری ہوگیا ہے قرآن کے SEMANTIC مطالعہ کو "IZUTSU" کے ہاتھ سے لے کر آگے بڑھانا چاہیئے اور حدیث کے مطالعہ میں GOLD ZIHER اور WENSINCK کے خطوط پر تحقیق و ترتیب کی نئی راہیں تلاش کرنی چاہئیں۔ علمائے اسلام نے علوم قرآن اور علم حدیث سے متعلق جو کام کیے ہیں، وہ بلاشبہ مہتم بالشان ہیں، لیکن ضرورت ہے کہ ان کو آگے بڑھایا جائے، وقت کا ایک اور اہم تقاضا یہ ہے کہ فقہ اسلامی کی کتابوں کی ترتیب موجودہ دور کی ضروریات اور مزاج کے مطابق ہو تاکہ اسلامی نظام حیات کے افادی پہلو سامنے آسکیں۔ آج جب کہ یورپ و امریکہ میں اسلام سے بہ حیثیت دین غیر معمولی دلچسپی کا اظہار عوام میں ہو رہا ہے، اس کام کی ضرورت اور بڑھ گئی ہے۔ اس طرح نہ صرف میکڈانلڈ، شاخت، اینڈرسن وغیرہ کے نظریات کی اصلاح ممکن ہو جائے گی، بلکہ اسلام کے نظام حیات اور اسرار دین کے متعلق سوچنے کے نئے پہلو بھی آشکار ہو جائیں گے۔ ڈاکٹر اقبال کی دوربین نگاہ نے اس کام کی اہمیت اور ضرورت کا اندازہ آج سے ۶۵ برس قبل لگایا تھا اور وہ خود مولانا انور شاہ صاحب کشمیری کی مدد سے فقہ اسلامی کو عصر حاضر کے مذاق کے مطابق پیش کرنا چاہتے تھے۔ اس کام کو اب اور زیادہ ملتوی نہیں کیا جاسکتا۔

اس ساری جدوجہد میں آب و رنگ اسی وقت پیدا ہوگا جب علمی جذبہ سے سرشار مسلمان علماء اور فضلاء علم کو اپنی کھوئی ہوئی میراث سمجھ کر اس کام کی طرف متوجہ ہوں گے اور اپنے خون جگر سے اس کے خاکے میں رنگ بھریں گے فاضل محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے صحیح لکھا ہے کہ

وقت کا تقاضا ہے کہ مسلمان علماء ایسی تصانیف تیار کریں جو اپنی تحقیقات کی اصلیت (ORIGINALITY) مطالعہ کی وسعت نظر، گہرائی، ماخذ کے استناد و صحت اور محکم استدلال میں مستشرقین کی کتابوں سے کہیں فائق اور ممتاز ہوں

فرنگ سے بہت آگے ہے منزل مومن قدم اٹھا! یہ مقام انتہائے راہ نہیں۔

(عالم اسلام اور عیسائیت)